کچھ تلخ مگر سنگین حقائق

''رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف

آج پھر دردمرے دل میں سوا ہوتا ہے!''

(''تذکرہ وتبصرہ''.....''میثاق''لاہور۔مئی ۶۷ء)

واقعات وحقائق کا صحیح ادراک وشعور صحیح طرزِعمل کے لیے بمنزلہ اساس اور درست سمت میں اقدام کے لیے ناگزیر ولابُدی ہے۔ پاکستان کا اسلام کے نام پر حاصل کیا جانا چاہے کیسے ہی عظیم مسلّمات میں سے ہو، یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل اور ناقابل تردید ہے کہ یہ اُن مسلمانوں کی قومی جدوجہد کے نتیجے میں قائم ہوا ہے جو بقول مولانا مودودی ''صدیوں کے توارث کی بدولت'' ایک قوم بن گئے ہیں اور جن کی قومیت کی اساس اگرچہ اسلام ہی پر ہے.....لیکن خود اسلام سے ان کا رشتہ وتعلق محض نسلاً متوارث ہونے والے ''مذہب'' سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور جن کی اخلاقی حالت کے بارے میں مندرجہ ذیل رائے جتنی آج سے تیس سال قبل درست تھی، نہ صرف یہ کہ اتنی ہی بلکہ شومیِ قسمت سے اس سے بھی کہیں زیادہ آج صحیح ہے:

> ''..... یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب ویابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیرکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافروں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں دینے والے جس قدر کافر قومیں فراہم کرتی ہیں، غالباً اُسی تناسب سے یہ بھی فراہم کرتی ہیں۔ رشوت، چوری، زنا، جھوٹ اور دوسرے ذمائم اخلاق میں یہ کسی سے کم نہیں ہے.....''

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، مصنفہ مولانا مودودی)

دین کے ساتھ اس کے حقیقی لگاؤ کا جائزہ لینا ہو تو اوّلاً عوام کو دیکھیے کہ ان کی ایک عظیم اکثریت اس سے ایک سطحی ہی محبت رکھنے کے سوا نہ اس سے کوئی ذہنی مناسب رکھتی ہے نہ عملی تعلق۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کے لیے محضر ناموں پر دستخط کرنے کے لیے تو یہ ہر وقت تیار ہوتے ہیں، لیکن اپنے ذاتی یا گروہی مفادات کا معاملہ آجائے تو اسلام کے بڑے بڑے احکام کو پس پشت ڈال دینا اور اس کی تمام حدود کو پھلانگ جانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

پھر چونکہ اس ملک کی سیاسی قوت کا سرچشمہ بہرصورت یہی عوام ہیں، لہٰذا سیاست کے میدان میں اسلام کا نام خواہ کتنا بھی لیا جاتا ہو اور اس کے کیسے ہی بلند نعرے لگائے جاتے ہوں، واقعہ یہ ہے کہ اصل سکہ یہاں یا خالص سیاسی مفاد کا چلتا ہے یا برادریوں اور قبیلوں کیا قتدار طلبی ورسہ کشی کا!

پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ لوگوں کو دیکھیے جو کسی بھی اجتماعیت کا اصل قوام ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بنیادی اعتقادات سے ان کے قلوب واذہان یکسر خالی ہیں اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی ایک بہت بڑی اکثریت مغرب کے مادہ پرستانہ الحاد کے نظریات وافکار پر پورا ایمان رکھتی ہے۔ ان میں سے جتنا ذہین ہے اتنا ہی مغربی فلسفہ وفکر سے متاثر ہے اور جو ذرا جری بھی ہے وہ اس کے برملا اعلان اور کھلم کھلا اعتراف میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا!

پھر چونکہ ان ہی میں سے ملک کی پوری انتظامی مشینری کے کل پرزے نکلتے ہیں اور ان کے نسبتاً ذہین تر افراد ہی سے ملک کے تمام فوجی وسول محکموں کا اصل تانا بانا بنتا ہے، لہٰذا فطری طور پر سروسز کا پورا ماحول (الا ماشاء اللہ) مغربی افکر ونظریات اور مادہ پرستانہ وملحدانہ تہذیب وثقافت سے تیار ہا ہے اور فطری طور پر ان میں سے زیادہ جری اور نسبتاً ''تناقض ونفاق'' سے آزاد لوگ اسی ثقافت کی پورے ملک میں ترویج واشاعت کی کھلم کھلا کوشش میں بھی مصروف ہیں!

ان لوگوں کو ''مٹھی بھر'' اور ''گنتی کے چند لوگ'' قرار دے کر ان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش ایک سادہ سی خود فریبی ہے اور اس سے یہ حقیقت مٹ نہیں جاتی کہ اس ملک کی ''ذہین اقلیت'' (Intellectual Minority) بہرحال یہی ہیں اور ان ہی کے ہاتھ میں اس ملک کی اصل زمام کار ہے۔

اور آگے چلیے .....اور حقائق کا مواجہہ کرنے کی جرأت پیدا کر کے جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ مغربی افکار ونظریات کا یہ استیلاء خود ان لوگوں کی بھی اکثریت کے ذہنوں پر بتمام وکمال موجود ہے جو یہاں اسلام کے علمبردار اور اسلامی نظام کے قیام کے داعی ہیں۔ان کی عملی زندگیوں کے عام نقشے اور قول وفعل کے تضاد کو ایک طرف رکھتے ہوئے ان کے تصور دین کا بنظر غائر مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود مذہب کا ایک خالص لادینی تصور ان کے ذہنوں میں قائم ہے اور اسلام ان کے نزدیک ''ایک بہترین ضابطہ حیات'' اور ''حیاتِ دنیوی کے مسائل کا بہترین حل'' سے زیادہ اور کچھ نہیں! حقیقتِ دینی اور روحِ ایمانی سے ان کی ایک بہت بڑی اکثریت تہی دستِ محض ہے اور اسلام کے بنیادی اعتقادات کو ماننا ان کے نزدیک دراصل صرف کچھ سماجی وتمدنی ضرورتوں کی بناء پر ہے! ان کی حقیقت کا ادراک تو بہت دور کی بات ہے، اس کی کسی ضرورت کا احساس تک ان کو حاصل نہیں۔دین جس زندگی کو اصل حیات قرار دیتا ہے، اس کی اہمیت ان کے نزدیک ایک تتمے سے زیادہ نہیں اور حیات دنیوی، جس کی دین میں کوئی وقعت نہیں وہ ان کے غور وفکر کا اصل موضوع اور ان کی سعی وجہد کا اصل مرکز ومحور ہے! حتیٰ کہ جو چیزیں دین میں ''عماد'' کا درجہ رکھتی ہیں، ان سے بھی ان کا شغف بس واجبی سا ہے.....اور وہ بھی بایدوشاید.....حد یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی کی روایت کے مطابق ایک بہت بڑے داعی دین اور علمبردار اسلام کے نزدیک:

''اسلام دراصل ایک سیاسی وتمدنی نظام (Politico-Social System) ہے جس پر الٰہیات کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔''

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا کارِ طفلاں تمام خواہد شد!

اور آگے بڑھیے.....مذہبیت کا ایک عمومی ڈھانچہ جن لوگوں کے دم سے قائم ہے وہ اکثر وبیشتر تجارت پیشہ طبقے کے کچھ مذہبی لوگ ہیں جو مسجدیں تعمیر کرتے اور انہیں آباد کرتے ہیں، مدارس قائم کرتے اور انہیں چلاتے ہیں اور مساجد ومدارس کے اہتمام وانتظام کا سارا بوجھ برداشت کرتے ہیں۔ان میں سے جو زیادہ دیندار ہوتے ہیں، وہ خود نمازیں پڑھتے، زکوٰۃ دیتے اور حج کرتے ہیں، لیکن ان کے ذرا قریب ہو کر دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایک بہت بڑی اکثریت کے یہاں آمدوخرچ کے معاملے میں حلال وحرام کی تمیز یکسر ختم ہو چکی ہے۔سودی کاروبار ہنیئاً مریئاً ہوتا ہے، اور جھوٹ سچ کا کوئی فرق کاروبار میں نہیں کا ی جاتا۔حتیٰ کہ ایک صوفی منش بزرگ نے پچھلے دنوں بڑے گہرے تاثر کے ساتھ فرمایا کہ:

''پورے پاکستان میں شاید کوئی ایک مسجد بھی ایسی نہ مل سکے جو خالص حلال ذرائع سے کمائے ہوئے روپے سے تعمیر کی گئی ہو!''.....اس پر مستزاد یہ کہ ان مساجد ومدارس میں چودھراہٹ کے حصول اور اس کو برقرار رکھنے کے لیے جس قسم کے جوڑتوڑ ہوتے ہیں اور جو سازشیں کی جاتی ہیں ان کے سامنے میدانِ سیاست کے جوڑتوڑ بھی شرما کر رہ جائیں۔

علماء کے طبقے کو دیکھیے.....تو اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دین جیسا کچھ اور جتنا کچھ آج موجود ہے وہ انہی کے دم سے اور انہی کی کوششوں کی بدولت ہے.....اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس حلقے میں کہیں کہیں علم وعرفان کی شمعیں بھی روشن ہیں اور ایمان وایقان کی مشعلیں بھی.....اور ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اصحابِ علم بھی ہیں اور اربابِ عمل بھی، جن کی گفتار قلوب میں گداز پیدا کرنے والی اور کردار لوگوں کے لیے عزیمت کا سامان مہیا کرنے والا ہے، لیکن یہ بھی ایک دردناک حقیقت ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، اور علماء کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ نہ دلوں میں ایمان کی شمع ایسی روشن ہے کہ ماحول کو منور کر سکے.....نہ اخلاق واعمال اس درجے کے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر سکیں۔تعلیم وتعلم اور درس وتدریس ان کی ایک بڑی اکثریت کا پیشہ بن کر رہ گیا ہے اور بڑے بڑے دارالعلوموں میں یہ افسوس ناک اور تکلیف دہ صورتحال نظر آتی ہے کہ پیشہ ورانہ چشمک اور رقابت وحسد.....اور آپس کے جھگڑوں اور مناقشوں کے اعتبار سے وہ خالص دنیادار اداروں سے کسی طرح مختلف نہیں!

رہی یہ کمی کہ ان کی ایک بڑی اکثریت موجودہ دنیا کے علوم وفنون سے بیگانہ محض ہے، تو اس کا ذکر تحصیل حاصل ہے! اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ علماء کا اثر معاشرے کے طبقہ متوسط کے بھی صرف نصفِ ادنیٰ تک ہی پہنچ پاتا ہے اور موجودہ معاشرے میں ان کی حیثیت زندگی کی اصل منجدھار سے کٹی ہوئی ایک علیحدہ شاخ سے زیادہ کچھ نہیں!

ان تلخ حقائق کو پیش نظر رکھ کر خدارا سوچیے کہ کیا محض اس دلیل سے کہ ''پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا!'' یہاں اسلام قائم ہو جائے گا یا سیاسی میدان میں اسلام کا نعرہ لگانے سے اسلامی انقلاب برپا ہو جائے گا؟ یا محض عوام کے مذہبی جذبات کے اشتعال سے مغربی تہذیب وثقافت کی یلغار رک جائے گی؟ یا محض منفی مدافعت و مخالفت سے دین میں تحریف کا سلسلہ ختم ہو جائے گا؟.....اپنے اس طرزِ عمل کے لیے لاکھ دلائل پیش کر دیجیے، سینکڑوں خوش نما تاویلات گھڑ لیجئے.....صورتِ واقعہ یہ ہے کہ آج بیس[1] سال سے ایک فعال مذہبی وسیاسی جماعت اور طبقہ علماء کے سیاسی مزاج بزرگ اس طریق پر عمل پیرا ہیں، لیکن حالات ہیں کہ روز بروز خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

بزعم خویش کوئی کتنا ہی الحاد وبے دینی اور فحاشی وبے حیائی کے سیلاب کے آگے بند بنا کھڑا ہو، واقعہ یہ ہے کہ نہ الحاد وبے دینی کے سیلاب میں کوئی کمی آئی ہے نہ فحاشی وبے حیائی

کے.....الٹا اس فعال دینی جماعت کا جو سیاست کے میدان میں مذہب کی علمبردار بن کر اتری تھی یہ حشر ضرور دیکھنے میں آیا کہ رفتہ رفتہ اس کی مذہبیت تو تحلیل ہو کر ختم ہوتی چلی گئی اور نری سیاسیت باقی رہ گئی، تا آنکہ اب اس کے نزدیک پاکستان میں اسلام کے مستقبل کا سارا دارومدار اس پر رہ گیا ہے کہ یہاں انتخابات بلاواسطہ ہوں اور پارلیمانی جمہوریت کا نظام بحال کر دیا جائے.....فاعتبروا یا اولی الابصار!

ہماری قومی زندگی کا دھارا پورے زور وشور سے ایک خاص سمت میں بہہ رہا ہے اور تا حال مذہبی طاقتیں اس پر کسی قسم کا کوئی اثر ڈالنے اور اس کے رخ کو تبدیل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ دوسری طرف ملکی حکومت کو ہر آن نئی مشکلات ومسائل کا سامنا ہے اور بین الاقوامی سیاست کے بدلتے ہوئے رنگ اور بڑی طاقتوں کو بدلتی ہوئی حکمت عملی سے صاف اندازہ ہو رہا ہے کہ مستقبل میں پاکستان کو اپنی سالمیت کے تحفظ کے لیے بڑی کٹھن مشقت وریاضت کرنی ہوگی اور بڑے نامساعد حالات سے گذرنا ہوگا۔ ان حالات میں اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ اگر مذہبی حلقوں کی نری سیاسی نعرہ بازی اور محض منفی مدافعت ومخالفت کی حالیہ روش برقرار رہی اور کوئی زبردست مثبت دینی دعوت ایسی نہ اٹھی جو ذہنوں کو مفتوح اور قلوب کو مسخر کر سکے تو کسی مشکل وقت میں اعصاب کا تناؤ ایسی صورت پیدا نہ ہو کر دے کہ پھر اسلام کا نام لینا بھی مشکل ہو جائے!

اسی اہم خطرے کی نشاندہی کے لیے ہم نے یہ طویل معروضات پیش خدمت کی ہیں اور تاریخ پس منظر کو سامنے رکھ کر موجودہ صورتِ حال کا تجزیہ کیا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اس سے ہمارا مقصد نہ کسی کی دلآزاری ہے نہ توہین وتنقیص، البتہ کچھ تلخ حقائق کا مشاہدہ بعض اوقات ''تلخ نوائی'' پر منتج ہو ہی جاتا ہے۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ اس پر ہمیں معذور سمجھا جائے اور ہماری گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔ اقول قولی هذا واستغفر الله رب العالمين ○ (میثاق، مئی ۱۹۶۷ء)

نوٹ!

اس سلسلہ مضامین کی اگلی قسط جو
ماہنامہ ''میثاق'' لاہور کے جون ۶۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی
اسلام کی نشاۃ ثانیہ
کرنے کا اصل کام
کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع ہو گئی تھی
جس کے اب تک آٹھ ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں!

اور جس میں بیان شدہ لائحہ عمل پر پیہم سعی وجہد ہی کا نتیجہ ہے کہ:

❶ ۱۹۷۲ء میں **مرکزی انجمن خدام القرآن** لاہور، کا
قیام عمل میں آیا.....اور
❷ ۱۹۷۷ء میں ''**قرآن اکیڈمی**'' قائم ہوئی۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْد!!